© rasailojaraid.com

لطیف اللہ

شیخ فخر الدین ابراہیم عراقیؒ

ادبِ صوفیہ کے عظیم شاعر اور نثر نگار

حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین محبوبِ الٰہی قدس سرّہٗ نے عارفین کے ایک گروہ کی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ صور و مظاہر میں تجلّیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت شیخ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ عراقیؒ اسی گروہ کے فرد تھے۔

> ''بعضے می گویند کہ مارا نظر در صنعِ خداست نہ آں کہ حسنِ مصنوع معشوقِ ماست برآں نظر می کنیم و عراقی دامادِ شیخ بہاء الدین زکریاؒ گفتے کہ مارا در صنعِ او نظر است۔''(۱)

> بعض (عارفین) کہتے ہیں کہ ہماری نظر اللہ تعالیٰ کی صنعت پر ہوتی ہے، مصنوع کا حسن ہمارا معشوق نہیں ہے (بلکہ) ہماری نظر اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے داماد عراقی بھی یہی کہتے تھے کہ ہماری نظر اللہ تعالیٰ کی صنعت پر رہتی ہے۔

اس ملفوظِ گرامی کے مندرجات پر گفتگو کرنے سے پہلے عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی سے متعلق جو سلسلۂ سہروردیہ کے اہم رکن تھے، چند معروضات پیش کی جاتی ہیں۔

شیخ محمد اکرام نے 'آبِ کوثر' میں افسوس کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ جس طرح خانوادۂ چشت سے منسلک بزرگوں کی تاریخ ضبطِ تحریر میں آئی ہے، اس طرح حضراتِ سہروردیہ کی مکمل اور مستند تاریخ مرتب نہیں ہوئی، اس لیے اس سلسلے میں ابتدائی بزرگوں کے حالات دستیاب نہیں ہیں۔ قدرے حالات 'فوائد الفواد' میں دستیاب ہیں، جن سے اس سلسلے کی مکمل تاریخ مرتب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔(۲)

شیخ محمد اکرام نے حضراتِ سہروردیہ کے حالات کی عدم دستیابی کی جو صورتِ حال بیان کی ہے، اس کے پیشِ نظر، شیخ فخر الدین عراقیؒ کے مستند اور مفصل حالاتِ زندگی کی اُمید رکھنا نقشِ بر آب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، البتہ ان کی تصنیفاتِ نظم ونثر سے معدودے چند حالات اخذ کیے جاسکتے ہیں۔لیکن اصل فخر الدین ابراہیم عراقیؒ اپنے تصورِ حیات وکائنات، اپنی فکر اور اپنے پیغام کے ساتھ اپنی شعری اور نثری تخلیقات ہی میں عیاں ہوتے ہیں۔ اس وقت اِن ہی پہلوؤں کا مطالعہ مدِّ نظر ہے۔

اس سے قبل کہ ہم اِس جہت میں آگے بڑھیں چند لغو اور مہمل قصّوں کی نشان دہی ضروری سمجھتے ہیں جن کے باعث شیخ فخر الدین عراقیؒ کی سیرت اور ان کے کردار کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک بے اساس اور بے بنیاد مقدمہ ہے جسے کسی دوست نما دشمن نے اپنا نام، وطن اور اپنی شناخت پوشیدہ رکھ کر تحریر کیا، بعد ازاں دیوانِ عراقی میں بطور دیباچہ شامل کر دیا۔(۳) آیندہ صفحات میں ہم اس مہمل تحریر کو ''بے نام مقدمہ'' تحریر کریں گے۔

اے۔ جے۔ آربری (A.J. Arberry) نے جیسا کہ حاشیہ نمبر۳ میں وضاحت کی، اس بے اساس تحریر کو ''گمنام سوانح عمری'' قرار دیا ہے۔ استاد سعید نفیسی نے دو مقامات پر اس بے نام مقدمے کا ذکر کیا ہے۔ حوالۂ اوّل میں تحریر کرتے ہیں:

''نامِ نویسندۂ ایں مقدمہ و زمانِ وی معلوم نیست۔''(۴)

اس مقدمے کے لکھنے والے کا نام اور اُس کا زمانہ معلوم نہیں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے:

''ان کے دیوان کے پیشِ لفظ میں جو بظاہر آٹھویں صدی کے آغاز میں اُن کے دوستوں اور ساتھیوں میں سے کسی نے تحریر کیا ہے۔''(۵)

استاد سعید نفیسی کے مذکورہ دونوں بیانات ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ قولِ اوّل میں کہا گیا ہے کہ مقدمہ نگار کا نام اور زمانہ نامعلوم ہے اور حوالۂ دوم میں تصریح کے ساتھ بیان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا گیا ہے کہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی ''دوست'' نے یہ مقدمہ آٹھویں صدی کے آغاز میں تحریر کیا۔ ہمارے نزدیک یہ تصریح درست نہیں ہے۔ اوّل یہ کہ اگر یہ صراحت درست ہوتی تو حمد اللہ مستوفی کی تصنیف 'تاریخِ گزیدہ' میں اس کا حوالہ ہوتا جس کا سالِ تصنیف ۷۳۰ھ محقق ہے۔(۶) 'تاریخِ گزیدہ' میں عراقیؒ کا ترجمہ صرف اسی قدر ہے:

> ''عراقی وھو فخر الدین ابراہیم بن بزرجمہر بن عبدالغفار الجوالقی از دیہ کونجان بولایت اعلم ہمدانست و در سنہ ست وثمانین وستماتہ بشام درگزشت اشعار محققانہ دارد مشہور است۔''(۷)
>
> عراقی اور وہ فخر الدین ابراہیم بن بزرجمہر بن عبدالغفار الجوالقی ہیں معروف ولایت ہمدان کے قریہ کونجان سے ہیں (پیدا ہوئے) اور سنہ چھ سو چھیاسی میں شام میں وفات ہوئی۔ ان کے اشعار محققانہ اور مشہور ہیں۔

دوسرے یہ کہ بیس صفحات کے مقدمے میں ایسی کوئی داخلی شہادت فراہم نہیں ہوتی کہ مقدمہ نگار فی الواقع عراقی رحمۃ اللہ علیہ کا دوست یا ہم نشیں یا مرید تھا، اس کے برعکس اس نے دانستہ اپنی شناخت کو پردۂ خفا میں رکھا ہے۔ اس کا مقصد تعریف وتوصیف کے پردے میں سراسر کردار کشی ہے اور حاصلِ مطالعہ یہ ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرّہٗ جو ہندوستان میں سلسلۂ سہروردیہ کے بانی اور عظیم مشائخ میں سے تھے، کے داماد اور خلیفہ عراقیؒ امرد پرست اور لواطت کے مرض میں مبتلا تھے۔(۸) (نعوذ باللہ) قابلِ افسوس پہلو یہ ہے کہ بعد کے تذکروں اور تصنیفات میں بغیر تحقیق کیے بے نام مقدمے کے مندرجات نقل ہوتے چلے گئے۔(۹) یہ تذکرے سوا سو سے چار سو سال کے لکھے گئے اور کسی طرح عصری شہادت کے ذیل میں نہیں آتے۔

اس ضمن میں ہمارا موقف یہ ہے کہ اصولاً استاد سعید نفیسی کو جو بلاشبہ ایک عظیم محقق ہیں، تفصیلی بحث کرنی چاہیے تھی کہ اُن کی نظر میں بے نام مقدمے کے استناد کی کیا حیثیت ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیوں کہ جب وہ اپنے دیباچے میں دولت شاہ سمرقندی کے اس بیان کی تردید کر سکتے ہیں، جس میں عراقی ؒ کا نعل بند پسر سے عشق کا ذکر ہے تو "بے نام مقدمہ" بدرجۂ اولیٰ لایقِ تردید ہے۔ (۱۰) دوسرے یہ کہ ہماری علمی اور تحقیقی روایت میں اس نوعیت کی جعلی اور موضوع روایت جس کا راوی نامعلوم ہو، قابلِ اعتنا قرار نہیں دی گئی۔ اس کا ثبوت اسماء الرجال کے سلسلے کی کتب ہیں جن میں مجہول روایت اور قول کو کلی طور پر ردّ کر دیا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہمارے نزدیک اس بے نام مقدمے کی تمام روایات جو، گویند، گویند، گویند (کہتے ہیں، کہتے ہیں، کہتے ہیں) کی تکرار سے شروع ہوتی ہیں، مجہول السند ہیں کیوں کہ راویِ اوّل فی نفسہٖ لاپتہ، مجہول اور نامعلوم ہے۔ تحقیق کی دُنیا میں بے نام و نشان باتوں کو افواہ کہا جاتا ہے، انھیں افواہ ہی رہنے دیجیے۔ ایسی مہمل افواہوں کو فخر الدین عراقی جیسے عارفِ کامل کے سوانح کا ماخذ قرار دینا صریحاً علمی بددیانتی ہے۔

یہاں سے ہم حضرت محبوبِ الٰہی قدس سرّہٗ کے ملفوظِ گرامی کی جانب آتے ہیں جو اس مضمون کا سرنامہ ہے:

> بعض (عارفین) کہتے ہیں کہ ہماری نظر اللہ تعالیٰ کی صنعت پر ہوتی ہے، مصنوع کا حسن ہمارا معشوق نہیں ہے (بلکہ) ہماری نظر اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے داماد عراقی بھی یہی کہتے تھے کہ ہماری نظر اللہ تعالیٰ کی صنعت پر رہتی ہے۔

حق تعالیٰ کی معرفت تک رسائی کے کتنے راستے اور طریقے ہیں، راقم السطور اپنی علمی کم مائیگی کے باعث اُن کی نشان دہی سے قاصر ہے، البتہ مذکورہ ملفوظِ گرامی سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مقامِ معرفت تک رسائی کی ایک راہ صور و مظاہر میں صفاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ کرنا بھی ہے۔ حضرت امیر خسروؒ نے اس شعر میں اسی مقام کی جانب اشارہ فرمایا ہے:

هر چه آید در نظر غیرِ تو نیست
یا توئی، یا بوئے تو، یا خوئے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(جو کچھ نظر کے سامنے آتا ہے، تیرا غیر نہیں ہے، یا خود تو ہی ہے یا تیری (ذات کی) خوشبو ہے یا تیری صفات ہیں۔)

ناصر علی سرہندی نے ایک دوسرے رُخ سے اس حقیقت کو بیان کیا ہے:

تو تیائے چشمِ مہ جز پرتوِ خورشید نیست
ما بنورِ دوست می بینیم حسنِ روئے دوست

(چاند کی آنکھ کا سرمہ آفتاب کے پرتو کے سوا نہیں ہے۔ ہم بھی محبوب کے نور کے واسطے سے محبوب کے چہرے کا حسن دیکھتے ہیں۔)

اس اعتبار سے اس عرفانی رویّے کی ایک جہت وحدت الوجود کے علمی اور اعتقادی دائرے کی طرف بھی جاتی ہے، چناں چہ شیخ فخر الدین ابراہیم عراقیؒ کی ذات میں وجودی رنگ بھی چوکھا نظر آتا ہے۔ ایک درجے میں اس کیفیت کا سبب شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا قونیہ میں قیام ہے، جہاں وہ حضرت جلال الدین رومیؒ اور صدر الدین قونوی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔(۱۱)

چوں کہ اب عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق سے تمام گزارشات کا محور و مرکز وحدت الوجود کا نقطۂ نظر رہے گا، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک مختصر صراحت اس باب میں کر دی جائے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ وحدت الوجود کے لفظ سے بعض دانشوروں کی جبینِ ناز پر شکنیں پڑ جاتی ہیں اور اُن کے قلم سے ''غلطی ہائے مضامین'' کا انبار لگ جاتا ہے۔ اِن حضرات کا خیال ہے کہ وحدت الوجود الحاد اور زندقہ ہے۔ مخلوق خالق کا روپ دھار لیتی ہے، خیر و شر کا فرق معدوم ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ خاکسار اِن اعتراضات کے جواب میں کسی طویل بحث کا آغاز کرنا نہیں چاہتا، تاہم محض اس خیال سے کہ وحدت الوجود کے شارحِ اوّل شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربی قدس سرّہٗ بعض اربابِ علم کی تنقید کا مورد بنے ہیں، خاکسار حضرت شیخ ابنِ عربیؒ کی دو تصانیف سے ایک ایک اقتباس پیش کرتا ہے۔

شیخ قدس سرّہٗ 'فتوحاتِ مکیہ' کے باب پانچ سو ستاون میں حق تعالیٰ کے اسمِ پاک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

'بدیع' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وھذا یدلك علی انّ العالم ما ھو عین الحق وانما ھو ما ظھر فی الوجودِ الحق۔ اذ لو کان عین الحق ما صح کو نہ بدیعا۔(۱۲)

'اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ عالم حق تعالیٰ کا عین نہیں ہے۔ عالم اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ وہ حق تعالیٰ کے وجود میں ظاہر ہوا۔ اگر وہ حق تعالیٰ کا عین ہوتا تو حق تعالیٰ کا بدیع ہونا صحیح نہ ہوتا۔'

شیخ اکبر قدس سرّہٗ کی مندرجہ بالا عبارت میں عالم کو جس میں زمین، آسمان، جن، انسان، ملائکہ، حیوانات، نباتات اور جمادات غرضیکہ کل اشیائے کائنات شامل ہیں، حق تعالیٰ کا عین قرار نہیں دیا ہے بلکہ حادث اور مظہر بیان کیا گیا ہے کیوں کہ ایسا ہونا حق تعالیٰ کے اسمِ پاک 'بدیع' کا تقاضا ہے۔ اس آیتِ پاک، 'بدیع السمٰوات والارض' کا قرآنی مفہوم یہ ہے:

"اللہ وہ ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، جب کہ پہلے سے ان کا کوئی نمونہ یا مثال موجود نہ تھی۔"(۱۳)

اس صراحت کے بعد یہ اعتراض کہ شیخ اکبر قدس سرّہٗ عالم کو حق تعالیٰ کا عین مانتے ہیں، بجا نہیں رہتا۔ دوسرا اقتباس 'فصوص الحکم' سے پیش کیا جاتا ہے:

ولا شك انّ المُحدَث قد ثبت حدوثہٗ وافتقارہٗ الی مُحدِث احدثہٗ لِامکانہٖ بنفسہٖ فوجودہٗ مِن غیرہٖ فھو مرتبط بہٖ ارتباط افتقار ولابد اَن یّکون المستند الیہِ واجب الوجود لذاتہِ غنیًّا فی وجودہٖ بنفسہٖ غیر مفتقر وھو الّذی اعطے الوجود بذاتہٖ۔(۱۴)

یہ بات بے شک وشبہہ ثابت ہے کہ مُحدَث یا حادث کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدوث اور اس کا افتقار و احتیاج موجد و مُحدِث کی طرح ثابت ہے،
کیوں کہ حادث کی ذات میں امکان ہوتا ہے اور امکان ہی باعثِ
احتیاج ہوتا ہے تو حادث و ممکن اپنے غیر یعنی موجد سے مرتبط اور اس کی
طرف مستند ہوگا۔ افتقار و احتیاج کا یہ ارتباط دایمی کے طور ہے۔ وہ غیر
یعنی موجد جس کا ممکن محتاج ہے کیسا ہوگا؟ بالذات واجب الوجود ہوگا۔
اپنے وجودِ ذاتی میں غنی ہوگا، کسی کا محتاج نہ ہوگا کیوں کہ موجد ہی نے
بذاتہٖ اُس حادث کو وجود بخشتا ہے۔

شیخِ اکبر قدس سرّہٗ کی مندرجہ بالا عبارت، توحیدِ حقیقی کا جوہر اور خلاصہ ہے۔ اُنھوں نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے دو اصطلاحوں کو استعمال کیا ہے۔ ایک ''واجب الوجود'' یعنی حق تعالیٰ شانہٗ جو اپنے ہونے میں کسی شے کا محتاج نہیں ہے۔ وہ احد ہے، صمد ہے، لم یلد ولم یولد ہے۔ دوسری ''ممکن الوجود'' یعنی مخلوق جو اپنی ہستی کے قیام و بقا کے لیے ''واجب الوجود'' کی محتاج ہے۔ لہٰذا ''وجود'' کہے جانے کا حق صرف وجودِ واجب کا ہے اور وہ ایک ہے وجودی صوفیہ اسے 'وحدت الوجود' یعنی وجود کا ایک ہونا کہتے ہیں۔ عالم خارجی جس کا ظہور واجب الوجود سے ہوا اور جو ہر آن واجب الوجود کا محتاج ہے، اس پر وجود کہے جانے کا اطلاق نہیں ہوتا کیوں کہ وہ واجب کی مانند فی نفسہٖ موجود نہیں ہے اور اپنے ہونے میں غیر کا محتاج ہے۔ یہ شیخِ اکبر قدس سرّہٗ کا ''وحدت الوجود'' ہے جو قرآنی دلیل ھو اللہ احد۔ (۱۵) سے نہ مختلف ہے اور نہ برعکس۔

صوفیۂ وجودیہ کے تصورِ عشق کا سرچشمہ بھی وحدت الوجود کا نظریہ ہے۔ اس تصور کی اصل یہ حدیثِ قدسی ہے:

کنت کنزًا مخفیًا فاحببت ان أعرف فخلقت الخلق۔

میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں،
سو میں نے خلق کو پیدا کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ فخر الدین ابراہیم عراقیؒ کے کلام میں یہ رنگ زیادہ گہرا ہے نیز یحبّہم اور یحبّونہ (۱۶) کی تمام جہتوں کا حاصل ہے۔ ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

عشق شورے در نہادِ ما نہاد
جانِ ما در بوتۂ سودا نہاد

"عشق نے ہماری خِلقت میں ایک شورش پیدا کر دی۔ ہماری جان کو دیوانگی کی کٹھالی میں ڈال دیا (کہ پگھلتی رہے)۔"

گفتگوئے در زبانِ ما فگند
جستجوئے در درونِ ما نہاد

"ہماری زبان سے (اپنی) بات جاری کر دی۔ ہمارے باطن میں (اپنی) جستجو (کی آرزو) پیدا کر دی۔"

بر مثالِ خویشتن حرفے نوشت
نام آں حرف آدم و حوّا نہاد

"اپنی صفت پر ایک حرف تحریر کیا اور اُس حرف کا نام آدم وحوّا رکھا۔"

مثنوی "عشاق نامہ" میں فرماتے ہیں:

گر تو پاکی، نظر بپاکی کن
منقطع از طباع خاکی کن

"اگر تو پاک ہے تو اپنی نگاہ پاکیزگی پر رکھ۔ اپنے آپ کو خاکی جبلّتوں سے دُور رکھ۔"

سوزِ اہلِ صفا ببازی نیست
عشقبازی خیال بازی نیست

"پاک لوگوں کا سوز وغم کھیل کود نہیں ہے، عشق بازی اور خیال بازی میں بہت فرق ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عشق ذوقیست ہم نشینِ حیات
بلکہ چشمیست بر جبینِ حیات

''عشق ایسا ذوق ہے جو زندگی کا ہم نشیں ہے بلکہ زندگی کی پیشانی پر چشمِ بینا ہے۔''

آب در میوۂ خرد عشقست
بلکہ آبِ حیات خود عشقست

''ثمرِ عقل میں تر و تازگی عشق سے ہے اصل بات یہ ہے کہ عشق تو آبِ حیات ہے۔''

لذت عشق عاشقاں دانند
پاک بازانِ جاں فشاں دانند

''عشق کی لذت اہلِ عشق ہی جانتے ہیں جو پاک باز ہیں اور (محبوب پر) جان نچھاور کرنے والے ہیں۔''

سازِ طربِ عشق کہ داند کہ چہ ساز است
کز زخمۂ او نُہ فلک اندر تگ و تاز است

''کسی کو معلوم نہیں کہ عشق کے ذوق وشوق کا ساز کیسا ساز ہے کہ اس کی مضراب سے نو آسمانوں میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔''

آورد بیک زخمہ جہاں راہمہ در رقص
خود جانِ جہاں زخمۂ ایں پردۂ راز است

''مضراب کی ایک ضرب سے سارا عالم رقص میں آ گیا (کیوں کہ) خود جانِ جہاں اس پردۂ راز کی مضراب ہے۔''

عشق است کہ ہر دم بہ دگر رنگ برآید
نازست یکے جائے دگر جائے نیاز است

''عشق ہی ہے کہ ہر آن نئے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے ایک جگہ ناز ہے تو دوسری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جگہ نیاز ہے۔"

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رباعیاں ملاحظہ فرمائیں:

اوّل قدم از عشق سر انداختن ست
جاں باختن ست و بابلا ساختن ست
اوّل اینست و آخرش دانی چیست
خودرا، زخودی خود پرداختن ست

"عشق میں پہلا قدم تسلیم و رضا اختیار کرنا، پھر جان کی بازی لگانا اور مصائب سے موافقت کرنا ہے۔ یہ تو عشق کی ابتدا ہوئی کچھ معلوم ہے کہ انجام اس کا کیا ہے؟ انجام یہ ہے کہ خود کو اپنی خودی سے (ہمیشہ کے لیے) مبرا ہو جانا۔"

در کوئے تو عاشقاں در آیند و روند
خونِ جگر از دیدہ کشایند و روند
ما بر درِ تو، چو خاک ماندیم مقیم
ورنہ دگراں چو باد آیند و روند

"اے محبوب! عشاق تیرے کوچے میں آتے ہیں، چلے جاتے ہیں (زیادہ سے زیادہ یہ کہ) خونِ جگر آنکھوں سے ٹپکا کر چلے جاتے ہیں، لیکن ہم تیری چوکھٹ پر مانندِ خاک مقیم ہیں دوسرے مثلِ ہوا آتے ہیں چلے جاتے ہیں۔"

ان اشعار کے سرسری مطالعے سے پہلا تاثر یہ قایم ہوتا ہے کہ شیخ فخر الدین عراقیؒ کے کلام کا امتیاز کیفیاتِ عشق میں اُن کا استغراق ہے۔ اسی ایک اصل سے محاسنِ کلام کی دوسری شاخیں پھوٹتی ہیں۔ ان کے لہجے میں گداختگی اور برشتگی کا باعث یہی کیفیاتِ عشق ہیں۔ برجستگی اور وارفتگی کا جوش ہے۔ مترنم آہنگ اور نغمگی ہے۔ الفاظ و تراکیب کے صوتی اثرات ذوق انگیز ہیں۔ زبان کی زیبائی اور رعنائی ذوقِ جمال کے لیے تسکین بخش ہے۔ یہ تمام محاسن حکیم سنائیؒ، شیخ عطارؒ، مولانا رومیؒ اور اوحد الدین کرمانیؒ کی شاعرانہ خصوصیات کی تازہ کاری کا دلکش نمونہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔آگے چل کر یہی روایت، شیخ سعدی، امیر خسرو، مغربی اور مولانا جامی (رحمہم اللہ) کے کلام میں جاری و ساری نظر آتی ہیں۔

غزلیاتِ عراقیؒ کی ایک انفرادی خوبی کی نشان دہی حضرت خواجہ بندہ نوازؒ نے فرمائی ہے۔وہ خوبی یہ ہے کہ ان کی اکثر غزلوں کے تمام اشعار کا مفہوم وہی ہے جو غزل کے مطلع سے متبادر ہوتا ہے۔یہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ پیش کیا جاتا ہے:

''یکشنبہ ۲۷ر رمضان المبارک ۸۰۲ھ

۲۷ر رمضان کو چاشت کے وقت ایک قدیم صفت خراسانی حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوا۔کچھ اشعار کے اوراق اس کے ساتھ تھے۔اس نے ایک ورق کھینچا اور اس سے عراقیؒ کے یہ اشعار سنائے:

ما چنیں تشنۂ زلالِ وصال   ہمہ عالم گرفت مالا مال!
غرق آبیم و آب می طلبیم   در وصالیم بے خبر ز وصال
آفتاب اندرونِ خانہ و ما   در بدری وویم ذرّہ مثال
گنج در آستیں دمی گردیم   گردِ ہر کو زبہر یک مثقال
چند گردیم خیرہ گرد جہاں   چند باشیم اسیرِ ظن و خیال
بدہ اے ساقی از بست جامے   کز نہادِ خودم گرفت ملال
آفتابے زروئے خود بہ نمائی   تاچو سایہ رخ آورم بہ زوال
تا ازل با ابد قریں گردد   دی و فرائے من شود ہمہ حال
با چنیں حال شایدار گویم   گرچہ باشد بہ نزد عقل محال
کہ ہمہ اوست ہر چہ ہست یقیں   جاں و جاناں و دلبر و دل و دیں

حضرت مخدوم نے ان اشعار کو سُن کر فرمایا کہ ایک ہی معنی اور مفہوم کو مختلف طریقہ سے ہر شعر میں ادا کیا گیا ہے، مثلاً

ما چنیں تشنۂ زلالِ وصال   ہمہ عالم گرفت مالا مال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی حق تعالیٰ ظاہر اور نمایاں ہے۔ اس کے ظہور کے سلسلے میں کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے زمین و کائنات و موجودات کسی میں بھی وہ پوشیدہ نہیں ہے، اس کے ظاہر و عیاں ہونے کے باوجود بھی میں اس سے محروم، دُور اور محجوب ہوں۔

غرق آبیم و آب می طلبیم در وصالیم بے خبر ز وصال

"بے خبر ز وصال" میں بھی یہی معنی پیدا ہوتے ہیں۔

ع "چند باشیم اسیر ظن و خیال" یعنی آسماں و زمیں اس کے حجاب بنے ہوئے ہیں یا دُنیا کی چیزیں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔

بدہ اے ساقی از لبت جامے کز نہادِ خودم گرفت ملال

یعنی اس راز کی آگاہی کہ "ہمہ اوست" سے آشنا کر اور کسی چیز کو حجاب نہ بنا۔ ہمیشہ کے لیے جب تک تیرا وجود ہے میرے سامنے سے حجاب دُور رکھ۔ تا کہ میں از خود رفتہ ہو جاؤں اور تیرے جمال سے شادکام ہو کر اپنے کو بھلا بیٹھوں۔ اپنے چہرے سے ایسا نور روشن کر دے کہ میری ہستی، وجود اور نہاد، ظن و گمان کے سایہ کی طرح ڈھل جائے۔ اور ازل سے ابد تک ساتھ رہے۔ جب حقیقت کا راز منکشف ہوتا ہے سب لوگ محبوب کے جمال میں محو ہو جاتے ہیں اور کائنات کا حجاب درمیان سے اُٹھ جاتا ہے اور مبتدا و منتہا، اوّل و آخر اور ازل و ابد ایک ہو جاتے ہیں اور ایک ہی زاویہ پر مجتمع ہو جاتے ہیں۔ اعتباریات اور اضافیات کا کہیں پتا نہیں رہتا۔ اس کے بعد اسی مرد خراسانی نے عراقی کے مزید یہ اشعار پڑھے:

اے بہ تو روز و شب جہاں روشن بر رخت چشمِ عاشقاں روشن

بہ حدیث تو کامِ دل شیریں بہ جمال تو چشم جاں روشن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شد بہ نورِ جمال تو روشن   عالمِ تیرہ ناگہاں روشن

آفتابِ رُخِ جہاں گیرت   دم بہ دم می کند جہاں روشن

ہمہ عالم کہ از تو روشن شد   گر یقیں می شود گماں روشن

بہ نماید زروئے ھر ذرّہ   آفتابِ رخت عیاں روشن

می تواں کر دور خمِ زلفت   خویشتن راز خود نہاں روشن

اے دلِ تیرہ گر نہ گشت ترا   سرِّ توحید زیں بیاں روشن

اندر آئینۂ جہاں بنگر   تا بہ بینی ہمہ زماں روشن

کہ ہمہ اوست ہر چہ ہست یقیں   جاں و جاناں و دلبر و دل و دیں

اس غزل کو سننے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس غزل کے بھی تقریباً وہی معنی اور مفہوم ہیں جو پہلی غزل کے تھے۔ لیکن پہلی غزل میں پختگی اور بلندی زیادہ پائی جاتی ہے۔ برخلاف اس کے اس دوسری غزل میں وہ بات نہیں ہے۔ تھوڑی خامی پائی جاتی ہے۔ حالانکہ دونوں غزلیں ایک ہی شخص کی ہیں۔ اس کے بعد اس شخص نے پھر یہ غزل سنائی:

اے رخت آفتابِ عالم تاب   در فضائے تو کائنات سراب

در نیاید بہ چشمِ تو دو جہاں   کے بہ چشمِ تو اندر آید خواب

پیش ازیں بے رخت چہ بود جہاں   سایۂ در عدم سرائے خراب

استوا مہرِ طلعت تو نیافت   سایہ از نور یافت رنگِ خضاب

مہر چوں سایہ از میاں برداشت   ماچہ باشیم درمیاں در باب

اوّل و آخر اوست در ہمہ حال   ظاہر و باطن اوست در ہمہ باب

گر صد است و ہزار جملہ یکے ست   ورنہ آید بجز یکے بہ حساب

برف خوانند آب را چوں بست   باز چوں حل شود چہ گوید آب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آب چوں رنگ و بوئے گل گیرد لاجرم نام او کنند گلاب
بہ زبانِ فصیح ھر ذرّہ می کند عشق لحظہ لحظہ خطاب
کہ ہمہ اوست ہر چہ ہست یقیں جان و جاناں و دلبر و دل و دیں

اس غزل کو سننے کے بعد بھی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس پوری غزل میں بھی اسی معنی کو مختلف عبارت، اور نئی نئی تشبیہات و استعارات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس غزل میں سے اس شعر کو حضرت نے پڑھا:

گر صد است و ہزار جملہ یکے ست در نیاید بجز یکے بہ حساب

اور پھر حاضرین سے پوچھا کہ اس شعر کے کیا معنی ہوئے۔ کسی کی مجال زبان کھولنے کی نہ ہوئی، سب خاموش رہے۔ پھر حضرت نے وضاحت فرمائی کہ اعداد میں اصل عدد ایک ہے۔ اور بقیہ سب اسی ایک کی تکرار ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اعداد خواہ سو کے ہوں یا ہزار کے۔ اصل سب کی ایک ہی ہے، اس لیے سارا حساب ایک پر منحصر ہے۔ سوائے ایک کے اور کسی عدد کا وجود ہی نہیں ہے۔ اگر ہزار ہے تو وہی ایک اور لاکھ ہے تو وہی ایک۔''

''کثرتِ خیال'' میں ''وحدتِ معنی'' پیدا کرنا کمالِ فن ہے۔ یہ کمالِ فن ثمرِ عشق ہے اُس ہستی کا جس نے ایک لفظِ کُن سے ہژدہ ہزار عالم کو ایجاد کیا۔ صوفیہ کی تخلیقات میں فن کی یہ تابشیں، جو چشمِ باطن کو بینا کرتی ہیں، رنگِ توحید سے ہم آہنگ ہونے کی دلیل ہیں۔

شیخ فخرالدین عراقیؒ کی نثر ان کی شاعری کی مانند جمال و زیبائی کا شاہکار ہے اور کثرتِ عبارات میں وحدتِ معنی کی آئینہ دار ہے۔ لمعات سے دو اقتباس پیش کیے جاتے ہیں:

''محبوب چوں خواہد کہ محبّ را بر کشد، نخست بر لباس، کہ از ہر عالمی با او ہمراہ شدہ باشد، از دی برکشد و بداں خلعتِ صفات خویش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پوشاند، پس بہمہ نامہای خودش بخواند بجامی خود بنشاند، آنجا در موقف الموافقش موقوف بہمہ نامہای خودش بخواند و بجامی خود بنشاند، آنجادر موقف الموافقش موقوف گرداند، تابعالمش، بہرِ تکمیلِ ناقصاں، باز گرداند و چوں بعالمش باز گرداند، لباس آں عالم، کہ ازوی برکشیدہ، اکنوں برنگِ خود درد پوشاند عاشق چوں لباس نگرد، خود را برنگ دیگر بیند۔"(۱۸)

جب محبوب یہ چاہتا ہے کہ محبّ کو اپنی طرف کھینچ لے تو اوّل ہر قسم اور ہر عالم کا لباس جو اس کے ہمراہ ہوتا ہے، اُتار لیتا ہے اور اپنی صفات کی خلعت اسے پہناتا ہے۔ اس کے بعد اپنے ناموں سے (مسمّٰی کر کے) اسے طلب کرتا ہے اور اپنی جگہ بٹھا لیتا ہے اور اُس موافق مقام میں ٹھہراتا ہے۔ یہاں تک کہ اُسے ناقصوں کی تکمیل کے لیے، اُس کے اپنے عالم میں واپس لوٹا دیتا ہے۔ جب وہ اپنے عالم میں پہنچ جاتا ہے تو اُس عالم کا لباس جو اُس کے وجود سے اُتار لیا تھا، اپنے رنگ میں پہناتا ہے۔ عاشق جب اپنے نئے لباس کو دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو اور ہی رنگ میں پاتا ہے۔

"ہر چہ ہست آیئنۂ جمالِ اوست، پس ہر چہ باشد جمیل باشد او جرم ہمہ را دوست دارد، وچوں درنگری خود را دوست داشتہ باشد۔ خود ہر عاشقے کہ بینی جز خود را دوست ندارد، زیرا کہ در آیئنۂ روے معشوق جز خود را نبیند، لا جرم جز خود را دوست نگیرد، 'المومن مرآت المومن و اللہ المومن' بیان ایں ہمہ کند۔

آں کہ می بینی کہ محبّ در آیئنۂ ذاتِ خود صورت محبوب بیند، آں محبوب باشد کہ صورتِ خود را در آیئنۂ محبّ بیند، زیرا کہ شہودِ محبّ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ببصر بود و بصرِ او بحکم 'کنت سمعه و بصره و لسانه' عینِ محبوب آمد، 'فانمّا نحن به وله' پس محبّ و محبوب و طالب و مطلوب و مسمع و سمیع و مطاع و مطیع از روے ظهور همه یکے اند، امّا فهم هر کس ایں جانمی رسد۔'' (۱۹)

جو کچھ ہے حق تعالیٰ کے جمال کا آئینہ ہے، پس جو بھی ہوگا یقیناً جمیل ہوگا۔ اس اعتبار سے وہ لازماً سب کو دوست رکھتا ہے، اور اگر تم اپنی ذات میں غور کرو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ وہ تمہیں دوست رکھتا ہے۔

خود ہر عاشق بھی یہی محسوس کرتا ہے کہ وہ سوائے اپنے کسی کو دوست نہیں رکھتا، کیوں کہ معشوق کے چہرے کے آئینے میں سوائے اپنے کسی کو نہیں دیکھتا اس لیے لازمی طور پر سوائے اپنے کسی کو دوست نہیں سمجھتا، ''مومن کا آئینہ مومن ہے اور اللہ مومن ہے'' یہ (قول) اس حقیقت پر صادق آتا ہے۔

تم جو یہ مشاہدہ کرتے ہو کہ عاشق اپنی ذات کے آئینے میں محبوب کی صورت دیکھتا ہے تو محبوب کہے جانے کا وہی مستحق ہے جو اپنی صورت عاشق کے آئینے میں دیکھتا ہے، کیوں کہ عاشق کا شہود آنکھ کے ذریعے ہوتا ہے اور آنکھ بحکم ''میں اس کے کان، اس کی آنکھ، اس کے ہاتھ اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں'' عینِ محبوب ہے۔

پس عاشق جو کچھ دیکھتا، جانتا، کہتا اور سنتا ہے، سب عینِ محبوب کے زمرے میں آتا ہے، ''سو ہم اس کے ساتھ اور اس کے لیے ہیں'' کے بموجب محبّ و محبوب، طالب و مطلوب، مسمع اور سمیع اور مطاع و مطیع سب ایک ہیں لیکن ہر کسی کی فہم اس مقام تک نہیں پہنچتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مندرجہ بالا اقتباسات کے مطالب قطعی طور پر واضح ہیں۔ اور کسی شرح یا تفصیل کے محتاج نہیں ہیں۔ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ نثر علاوہ زیبائی اور جمال کے ایک گہری فکر کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہ فکر حسن وعشق، محبّ ومحبوب کی یکجائی اور اتصال کا بہترین مرقع ہے۔ اور یہی اُن کا پیغام ہے۔ چند شعر یہاں پیش کیے جاتے ہیں: (۲۰)

اے حسن تو بے پایاں، آخر چہ جمالست ایں
در وصفِ توام حیراں، آخر چہ کمالست ایں

(اے محبوب تیرا حسن بے انتہا ہے۔ آخر یہ کیسا جمال ہے؟ میں تیرے وصف بیان کرنے میں حیران ہوں۔ تیرا کمال بے شک بے انتہا ہے۔)

حسنت چوں بروں تازد، عالم سپر اندازد
ہستی ہمہ دربازد، آخرچہ جلالت ایں

(اے محبوب جب تیرا حسن خارج میں متجلی ہوتا ہے۔ تو عالم خارجی سپر انداز ہو جاتا ہے۔ اور ہستی اُلٹ پلٹ ہو جاتی ہے (میں حیران ہوں) آخر یہ کیسا جلال ہے؟)

از عکسِ رُخِ روشن، آئینہ کنی گلشن
اے مردم چشم من، آخرچہ مثالست ایں

(اے محبوب! تیرے رُخِ روشن کے عکس سے (دِل کا) آئینہ گلستاں ہو جاتا ہے۔ اِے میری آنکھوں کی پتلی اس مثال کی تو نظیر ہی نہیں ملتی۔)

در دل چوکنی منزل ہم جاں ببری ہم دل
از تو چہ مرا حاصل آخر چہ وصالت ایں

(اے محبوب! جب تو دل میں آتا ہے۔ تو جاں اور دل دونوں ہی کو لے جاتا ہے۔ اب بتا کہ تیری اس غارت گری سے مجھے کیا حاصل ہوا۔ آخر یہ کیسا وصال ہے؟)

راقم السطور نے اِس مضمون کا سرنامہ حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہٗ کا ایک ملفوظِ گرامی بنایا تھا۔ یہاں بطور تتمہ یہی ملفوظِ گرامی نقل کر کے رخصت ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوں۔

بعض (عارفین) کہتے ہیں کہ ہماری نظر اللہ تعالیٰ کی صنعت پر ہوتی ہے، مصنوع کا حسن ہمارا معشوق نہیں ہے (بلکہ) ہماری نظر اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے داماد عراقی بھی یہی کہتے تھے کہ ہماری نظر اللہ تعالیٰ کی صنعت پر رہتی ہے۔

حواشی:

(۱) سیر الاولیا (فارسی) مصنفہ میر خورد کرمانی، لاہور ۱۹۷۸ء، ص ۴۸۰، ترجمہ راقم السطور۔

(۲) آبِ کوثر، از شیخ محمد اکرام، لاہور، ۲۰۰۰ء، طباعت ۲۱، ص ۲۵۵۔

(۳) ملاحظہ فرمائیں Classical Persian Literature مصنفہ اے۔ جے۔ آربری (Arberry)، لندن، ۱۹۵۸ء، ص ۲۶۳۔ آربری نے اس مقدمے کے لیے Annonymous Biography (گمنام سوانح عمری) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جس سے اس تحریر کی بے عیاری ثابت ہے۔ مذکورہ بالا تصنیف سے بیس سال قبل ۱۹۳۹ء میں آربری نے فخر الدین ابراہیم عراقیؒ کے 'عشاق نامہ' کا ترجمہ The Songs of Lover کے عنوان سے کیا تھا، اس کے ساتھ زیرِ بحث مقدمے کا متن اور ترجمہ بھی آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع کیا۔ افسوس ہے کہ آربری کی یہ تصنیف تلاشِ بسیار کے باوجود دستیاب نہ ہو سکی۔

(۴) دیباچہ ''کلیاتِ شیخ فخر الدین ابراہیم عراقیؒ''، تہران ۱۳۳۵ش، ص ج۔

(۵) دائرۃ المعارف الاسلامیہ، لاہور، جلد ۱۳، ص ۴۶ زیرِ عنوان، 'عراقی'۔

(۶) 'تاریخِ گزیدہ' مصنفہ حمد اللہ مستوفی مرتبہ ایڈورڈ جی براؤن، لندن، ۱۹۱۰ء، ص XII۔

(۷) ایضاً، باب پنجم، فصل ششم، ص ۸۲۲، ترجمہ از راقم السطور۔

(۸) ملاحظہ فرمائیں، مقدمہ دیوانِ مشمولہ 'کلیاتِ شیخ فخر الدین ابراہیم عراقیؒ'۔

(الف) قصہ قلندر پسر، ص ۴۔

(ب) قصہ حسن قوال، ص ۱۰ تا ۱۱۔

(ج) قصہ کفش گر پسر، ص ۱۸۔

(د) قصہ فرزند ملک الامرا، ص ۱۹۔

(۹) ملاحظہ فرمائیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(الف) 'لطائفِ اشرفی، ملفوظات حضرت سیّد اشرف جہانگیر سمنانیؒ' جمع کردہ نظام الدین یمنی غریب دہلی، ۱۲۹۷ھ، ص۳۶۴ تا ۳۶۶۔

(ب) 'نفحات الانس'، مصنفہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ، تہران ۱۳۷۰ش، ص ۵۹۹ تا ۶۰۲۔

(ج) 'میخانۂ عبدالنبی'، مصنفہ ملا عبدالنبی فخر الزمانی قزوینی، مرتبہ محمد شفیع ایم۔اے لاہور ۱۹۲۶ء، ص ۲۷ تا ۴۷۔

(۱۰) دیباچہ 'کلیاتِ شیخ فخر الدین ابراہیم عراقیؒ'، ص یز۔

(۱۱) ایضاً، ص کد، کہ اور کو۔ استاد سعید نفیسی کی یہ تحقیق شمس الدین احمد افلاکی کی تصنیف 'مناقب العارفین و مراۃ الکاشفین'، آگرہ ۱۸۹۷ء پر مبنی ہے۔ یہ کتاب بھی احقر کو دستیاب نہ ہوسکی۔ افسوس کراچی میں کوئی سرکاری یا نجی کتب خانہ ایسا نہیں ہے جو طالب کو اصل ماخذ مہیا کرنے میں تعاون کرے۔

(۱۲) فتوحاتِ مکیہ، مصنفہ شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ۔ جلد چہارم مطبوعہ مصر ۱۳۲۹ھ ص ۳۱۶۔ راقم السطور نے یہ ترجمہ مولانا محمد طاسین مرحوم و مغفور مہتمم مجلس علمی کراچی کی رہنمائی سے کیا ہے۔ اس کے درست یا نادرست ہونے کی تمام تر ذمہ داری احقر راقم السطور پر ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ مطبوعہ نسخۂ مصر اس خطی نسخے سے نقل کیا گیا ہے جو خود شیخ اکبر قدس سرہٗ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا ہے اور قونیہ میں محفوظ ہے، جس کی اطلاع امام شعرانیؒ (م ۹۷۳ھ) نے تقریباً تین سو پچاس سال قبل دی تھی۔ ملاحظہ فرمائیں الیواقیت والجواہر مصنفہ امام شعرانیؒ، مصر ۱۳۲۱ھ، فصلِ اوّل، ص ۷۔

(۱۳) معارف الاسماء شرح اسماء الحسنٰی، مصنفہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، لاہور سال ندارد، ص ۱۵۶۔ آیتِ پاک، بدیع السمٰوٰت والارض کا مقام سورۂ بقرۃ میں آیت ۱۱۷ اور سورۂ انعام میں آیت ۱۰۱ ہے۔

(۱۴) فصوص الحکم، مصنفہ شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی مرتب و مترجم مولانا شاہ مبارک علی۔ مطبع احمدی کانپور ۱۳۰۸ھ۔ فصِ اوّل آدمیہ ص ۱۳-۱۴۔ شاہ مبارک علی کا ترجمہ لفظی اور آج کے روزمرہ سے مختلف ہے، اس لیے راقم السطور نے اس عبارت کا ترجمہ مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی کے ترجمۂ فصوص الحکم سے درج کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ص ۱۴، شایع کردہ نذیر سنز، لاہور ۱۹۷۹ء۔

(۱۵) مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ اخلاص کی پہلی آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے، ''آپ (ان لوگوں سے) کہہ دیجیے کہ وہ یعنی اللہ اپنے کمالِ ذات و صفات میں ایک ہے۔''

(۱۶) سورۂ مآئدہ، آیت ۵۴، ترجمہ اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۷) جوامع الکلم، ملفوظات حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ مرتبہ سیّد محمد اکبر حسینیؒ۔ اردو ترجمہ پروفیسر مُعین الدین دردائی، کراچی طبع اوّل، ۱۹۸۰ء، ص

(۱۸) کلیاتِ عراقیؒ، بمعہ ۲۸، ص ۳۶۰، اُردو ترجمہ از راقم السطور۔

(۱۹) ایضاً، بمعہ ۷، ص ۳۳۷، اُردو ترجمہ از راقم السطور۔

(۲۰) ایضاً، ص ۲۱۱، اُردو ترجمہ از راقم السطور۔

© rasailojaraid.com